# عظمت صحابہ

## مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے "ازالہ کا ازالہ" اور "چند وضاحتیں" کا علمی جائزہ


**مولانا عتیق احمد بستوی**

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ



**مکتبہ معہد الشریعہ لکھنؤ**



نام کتاب : مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے قلم وزبان سے عظمت صحابہ کی پامالی

مصنف : مولانا عتیق احمد بستوی

کمپوزنگ : +91-9236650139

صفحات :

تعداد اشاعت :

قیمت :

ناشر : معہد الشریعہ لکھنؤ

ای میل : m.ateeque.bastavi@gmail.com

موبائل : +91-9839776083

**ملنے کے پتے :**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میری کتاب ''صحابی کی تعریف اور صحابہ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ'' کے رد میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے ''مفتی عتیق بستوی کے ازالہ کا ازالہ'' کے نام سے بیس صفحات کا رسالہ تیار کیا، اسے کتابی صورت میں شائع تو نہیں کیا، لیکن اس کی Pdf بنا کر سوشل میڈیا پر ڈال دی، جو بہت دور تک پھیل گئی، میں نے تو اپنے رسالہ میں نہ تو کہیں ان کا نام لکھا تھا، اور نہ ہی اس بات کا کوئی تذکرہ کیا تھا کہ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے کسی استاد کے منحرف افکار کا جائزہ پیش کر رہا ہوں، لیکن مولانا موصوف کے رسالہ نے ہر چیز طشت از بام کر دی، اور انہوں نے جو گھٹیا اسلوبِ بیان اختیار کیا اس نے ان کی شخصیت کو بری طرح مجروح و متاثر کیا، نیز انہوں نے حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) کی خلافت کے بارے میں جو تیکھے سوالات قائم کئے انہوں نے غالی متعصب شیعہ مجتہدین کی یاد تازہ کر دی، ہمارے ایک مخلص دوست جو انتہائی مخلص اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں مولانا سید سلمان صاحب سے عمر میں کئی سال بڑے ہیں، اور ان سے تعلق خاطر بھی رکھتے ہیں، انہوں نے مولانا موصوف کے رسالہ کو پڑھنے کے بعد میری واٹسپ پر لکھ کر بھیجا:

السلام علیکم

آپ کے جواب میں سلمان بہت دور پہنچ گئے ہیں، اب تو ان کے حق میں بڑا خطرہ محسوس ہو رہا ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ سلسلہ بند کر دیا جائے، تاکہ ہم ذریعہ



نہ بنیں، جب کہ ایک معذرتی تحریر آئی ہے، اگر چہ اسی مزاج کی ہے، اور خبر ملی ہے کہ مزید کچھ لکھا جا رہا ہے۔

۳؍دسمبر ۲۰۱۸ء

میرے متعدد دوستوں اور بے تکلف خیر خواہوں نے مجھے یہی مشورہ دیا کہ مولانا سلمان صاحب کے ساتھ بحث میں الجھنا بے سود ہے، وہ آپ کے جواب میں جس نچلی سطح پر آ گئے ہیں اس کے بعد تو کچھ لکھنا اور کہنا بالکل بے سود ہے، میں نے مخلصین اور خیر خواہوں کی رائے کو مان کر یہ فیصلہ تو کر لیا تھا کہ مجھے مولانا سلمان صاحب کی ساتھ اس بحث میں زیادہ نہیں الجھنا ہے، کیونکہ وہ اپنی رائے کے خلاف کوئی بات سننے اور اس پر غور کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں، بلکہ ناقدانہ اور تجزیاتی تحریر خواہ کتنے ہی نرم اور شائستہ لہجہ میں لکھی جائے اس سے وہ مشتعل ہو جاتے ہیں، اور جذبات سے مغلوب ہو کر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تک جانے کا ان کا شاید خود بھی ارادہ نہیں ہوتا۔

''ازالہ'' اور ''ازالہ کا ازالہ'' کے بنیادی مباحث سے ہٹ کر مولانا سید سلمان صاحب کی دونوں تحریروں میں بعض ایسی باتیں آ گئی تھیں جن کی وضاحت میں تحریری طور پر کرنا ضروری سمجھتا تھا، اس لئے کہ تحریریں ریکارڈ بن جاتی ہیں، ان کے غلط مندرجات کا اگر نوٹس نہ لیا جائے تو آئندہ ان سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں، اس لئے مولانا موصوف کی دونوں تحریریں پڑھ کر میں نے حقائق کی وضاحت کے لئے چند صفحات لکھوا دئے تھے، لیکن اس کی اشاعت کا فیصلہ نہیں کر سکا تھا، یہ خیال بھی آتا تھا کہ مولانا سلمان صاحب نے اپنے منحرف آراء سے رجوع تو نہیں کیا، اپنی دوسری تحریر (چند وضاحتیں) میں بھی وہ اپنے موقف پر بڑی شد و مد سے قائم ہیں، لیکن

انھوں نے امت کے اتحاد کے خاطر اس بحث کو دفن کرنے کی پیشکش کی ہے، اور اس حساس اور نازک بحث کو دفن کر دینا بھی امت کے لئے خیر کا باعث ہوگا۔

لیکن مولانا موصوف اپنے اس عزم و ارادے پر قائم نہ رہ سکے، انہوں نے جنوری ۲۰۱۹ء میں بعض ایسی تقریریں کیں جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنی پرانی باتوں کو پورے غیظ وغضب میں دہرایا، اور جوش خطابت میں یہاں تک کہہ گئے کہ ''جو شخص خلافت راشدہ کے بعد قائم ہونے والی حکومت کو ''مُلک عضوض'' نہ کہے وہ منکرِ حدیث اور ملعون ہے''۔ اس کے علاوہ اپنی وہ کتاب بھی شائع فرمادی جو میری کتاب کی اشاعت سے پہلے ہی وہ تیار کر چکے تھے، لیکن میری کتاب کی اشاعت کے بعد اپنے بعض مخلصین کے مشورہ پر اس کی اشاعت روک دی تھی، چندروز پہلے ''ملك عضوض - جبرية و عتو'' کے نام سے وہ کتاب بھی منظر عام پر آگئی، جس سے یقین ہوگیا کہ مولانا سلمان صاحب کی طرف سے اس بحث کو دفن کرنے کی بات صرف ایک جھوٹا وعدہ تھا جس پر وہ قائم نہ رہ سکے، اور صحابہ کرام کے خلاف انہوں نے جو معاندانہ مہم شروع کی تھی اس کو وہ برابر جاری رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے بادل ناخواستہ وہ تحریر جاری کی جارہی ہے جو میں نے ''مفتی عتیق بستوی کے ازالہ کا ازالہ'' اور ''چند وضاحتیں'' کا مطالعہ کرنے کے لئے بعد قلم بند کی تھی، امید ہے کہ یہ تحریر بہت سے حقائق اور سچائیوں کو واضح کرنے میں معاون ہوگی، اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو آئندہ موصوف کی تازہ تصنیف ''ملك عضوض - جبرية و عتو'' کا بھی علمی جائزہ لیا جائے گا۔

ان سطروں کی تحریر جاری تھی کہ اسی دوران مولانا سید سلمان ندوی صاحب کی



ایک تازہ تصنیف جمعیت شباب الاسلام کی طرف سے منظر عام پر آئی جس کا نام ماشاء اللہ بڑا جاذبِ نظر اور خوبصورت ہے: ''اللہ جل جلالہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے'' لیکن مطالعہ کرنے پر معلوم ہوا یہ کتاب بھی صحابہ کرام کے موضوع پر ان کے افکار پریشان کا نیا اور نسبتاً مفصل ایڈیشن ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے گویا اہل سنت نے صحابہ کرامؓ کو نہ صرف معصوم قرار دے دیا ہے بلکہ نعوذ باللہ انہوں نے یہاں تک موقف اختیار کرلیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ جل جلالہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلوں سے بالاتر ہیں، ان پر اللہ جل شانہ کے قوانین وفیصلے جاری نہیں ہوں گے۔

اس لئے مولانا سید سلمان صاحب یہ بات ثابت کرنے پر مجبور ہوئے کہ اللہ جل شانہ کے بے لاگ قوانین وفیصلے نہ صرف صحابہ پر بلکہ انبیاء کرام، خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نیز ان کی ازواج مطہرات پر نصوص قرآنی کے مطابق نافذ اور لاگو ہیں، پھر صحابہ کرام اس سے مستثنیٰ کیسے ہوسکتے ہیں۔

میرے علم میں بالکل نہیں کہ اہلسنت و جماعت کے کسی عالم نے صحابہ کو معصوم قرار دیا ہو کہ ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، یا یہ بات لکھی ہو کہ صحابہ کرام پر حدود اور اسلامی سزائیں جاری نہیں ہوسکتیں، اگر مولانا موصوف کے علم میں جمہور اہلسنت ہی نہیں بلکہ کسی معتبر سنی عالم کی ایسی کوئی تحریر و رائے ہے تو وہ اسے پیش کر کے اپنی زیر نظر کتاب کی تصنیف کا جواز بیان کردیں۔

اس کتاب میں اول سے آخر تک یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ صحابیت جسے جمہور اہلسنت اللہ کا فضل و اعزاز قرار دیتے ہیں، وہ ایسی کوئی اہم چیز نہیں ہے،

مولانا موصوف نے تمام منافقین کو''صحابہ'' میں شمار فرمایا ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہلسنت جن کو صحابہ سمجھتے ہیں ان میں ہر طرح کے گرے پڑے لوگ شامل ہیں، ہاں! رسول اللہ علیہ وسلم نے جنھیں خاص طور سے اصحابی (میرے صحابہ) قرار دیا، اور جن کے خصوصی فضائل بیان کیے اور ڈگریاں سونپیں دراصل وہی صحابی ہیں، اور ان کی تعداد بہت محدود ہے۔

حضرات صحابہ کے بارے میں مولانا موصوف نے اپنی اس تازہ تصنیف میں جو گل افشانیاں فرمائی ہیں کبھی اطمینان سے اس کا جائزہ لیا جائے گا، آپ صرف ان کی کتاب کے ایک اقتباس کا مطالعہ فرما کر اندازہ لگایئے کہ کیا صحابہ کے بارے میں ان کا طرز فکر شیعہ مجتہدین سے کچھ زیادہ مختلف ہے؟

> انصار و مہاجرین اور''طلقاء'' کے درمیان یہ وہ فرق تھا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار مختلف پیرایہ بیان میں ظاہر فرمایا، کہاں جنگ بدر میں شریک ہونیوالے، میدان حدیبیہ میں''بیعت الرضوان'' کرنے والے اور کہاں فتح مکہ کے بعد ابھرتے طاقت کے سامنے جھکنے والے؟ دونوں میں آسمانوں وزمین کا فرق ہے۔
>
> ذرا حدیث کی کتابیں کھولئے، بخاری، مسلم، ترمذی اور دیگر کتب حدیث وغیرہ کے ابوب مناقب پڑھیے، اور دیکھئے کن کے تذکروں سے حدیثیں بھری پڑی ہیں، سندیں کن حضرات کو دی جارہی ہیں، فضائل ومقامات کن حضرات کے بیان کئے جارہے ہیں، عشرہ مبشرہ کون ہیں، خلفائے راشدین کون ہیں، صدیقیت، فاروقیت، غنی اور قضا و فیصلہ کے



> تخصصات اور اسپیشلائزیشن کی ڈگریاں کن کو دی جارہی ہیں، کن کو آپ ''اصحابی'' کہتے ہیں، نئے نئے مسلمانوں سے جن کو محدثین کی اصطلاح نے''صحابی'' کہہ دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ، رفقاء، مشیران کار اور ذمہ دار حضرات کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟
>
> دوسرے عام مسلمانوں، کمزور مسلمانوں، نفاق کی بیماری میں مبتلا مسلمانوں کے بارے میں- جو آپ کا رات دن دیدار کرتے ہیں، مجلسوں میں بیٹھتے ہیں، یہاں تک کہ آپ کے ساتھ جہادی مہمات میں بھی شریک ہوتے ہیں، اور اسلام سے وابستگی کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں- حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہیں کہ لوگ ان کو ہمارا ساتھی اور صحابہ سمجھتے ہیں، اگر ہم ان کے خلاف کارروائی کریں گے تو لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے صحابہ کے خلاف کارروائی کررہے ہیں، ان کو قتل کروارہے ہیں، لیکن جب آپ اعتماد اور فخر کے ساتھ''اصحابی'' کہتے ہیں، تو ان سے سرفہرست ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عمار، ابن مسعود، ابوعبیدہ، عبدالرحمٰن بن عوف، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ وغیرہ حضرات مراد ہوتے ہیں، جن کے آپ نے مختلف مراتب اور مقامات کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان پر اپنے اعتبار اور اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔
>
> (اللہ جل جلالہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے ص ۵۵)

مولانا موصوف کی نئی خوبصورت کتاب مستقل توجہ چاہتی ہے، انشاء اللہ اہل علم اس کی طرف توجہ کریں گے، اور اگر معتبر اداروں اور اصحاب علم و افتاء کی طرف سے

سناٹا رہا تو اس گنہگار کا قلم اپنی دینی ذمہ داری پوری کرے گا، کسی ردوقدح کے بغیر مولانا موصوف کا ایک طویل اقتباس نقل کر کے میں یہ تمہید ختم کرتا ہوں:

بنوامیہ کے بارے میں روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے منبر پر دیکھا تو آپ کو ناگوار گذرا، اور تکلیف پہنچی ،(ترمذی، عن یوسف ابن سعد، حدیث ۳۶۷۳) اسی لئے آپ نے تمام مسلمانوں کو بتا دیا تھا کہ خلافت راشدہ تیس سال رہے گی، پھر دانتوں سے کاٹنے اور چبانے والی ملوکیت کا دور آجائے گا، ''ملک عضوض'' کا دور آجائے گا، اس کے بعد جبر وقہر اور سرکشی کا دور آئے گا، جس کے بارے میں حضرت ابوہریرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔

(۱) اے اللہ! میں (کھلنڈرے) بچوں کی حکومت سے - سن ۶۰ ہجری سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(۲) میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی، اسی طرح حضرت ابوہریرہ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ میں ۶۰ ھ کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں، اور یہ دعا کرتے کہ اے اللہ مجھے اس سے پہلے موت عطا فرما۔

تمام علماء محدثین نے ان حدیثوں کا انطباق یزید اور اس کے گورنروں اور امراء پر کیا ہے، اس میں دانت سے کاٹنے والی بادشاہت کا ذکر نہیں ہے، وہ تو خلافت راشدہ کے بعد شروع ہوگئی تھی، بلکہ اب یہ بتایا گیا کہ امت کی تباہی و بربادی ''جبریت وعتو'' سرکشی اور جبر وظلم کی وجہ سے ہوگی۔



اسی مقصد کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت کے طور پر مجمع عام میں تمام صحابہ سے عہد لیا تھا کہ علی کو اپنا ولی سمجھو، ان کے بن کر رہو، ان سے تعلق موالات ومحبت قائم کرو، ان سے کبھی دشمنی مت کرنا، یہ مسجد کی کسی چھوٹی سی مجلس کی بات نہیں تھی، بلکہ ہزاروں کے مجمع عام میں تھی، ایک ایک صحابی نے جو حدیث سنی اور نقل کی، اسے حجت سمجھنے والے اور اس پر فقہ کے مسائل کی عمارت اٹھانے والے، ایک بڑے مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانات، صریح مطالبات، اور عہد ومعاہدہ کو کیسے فراموش کر دیتے ہیں؟

اس موقعہ پر یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے سب سے زیادہ اہتمام اور تاکید سے فرمایا تھا کہ میں تمہارے درمیان دو مرجع، دو بھاری ذمہ داریاں چھوڑ کر جا رہا ہوں (میرا آخری وقت ہے) ایک قرآن - اس کو مضبوطی سے تھامے رہنا، اور ایک میرے اہل بیت - جن کو آپ نے متعدد صحیح اور صریح احادیث میں علی، فاطمہ اور حسن اور حسین کے صرف اسماء گرامی سے نہیں، بلکہ ان کو ایک چادر میں لپیٹ کر، مظاہرہ کرتے ہوئے اور لوگوں کو کھلے میدان میں دکھاتے ہوئے متعین کیا تھا، اس بارے میں روایتیں بخاری میں، مسلم میں، کتب سنن میں، اور تمام دواوین حدیث میں ہیں، اور علمائے اہل سنت کا ان روایات کی حقانیت اور ثبوت پر اتفاق ہے۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتیں، وفات سے ۶ - دن کم تین ماہ پہلے، بھرے مجمع میں فرمائی گئی ہیں، کیا سنت کا دم بھرنے

والے، حدیث کی حجیت پر بحث کرنے والے، حضور کے ہر قول وعمل کو واجب التعمیل قرار دینے والے، اپنے سے یہ سوال نہیں کرتے کہ اس حدیث کا کیا مطالبہ ہے، کیا قرآن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحدیث کے فہم کے لئے، قیادت وسیادت کے لئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''وعترتی اھل بیتی'' اپنے اہل بیت'' کو عملی زندگی میں، اعلیٰ انسانی کردار، اور شرعی موقف کے لئے ہر چوراہہ پر، ہر دوراہہ پر قطعی حجت کے طور نہیں پیش کر رہے ہیں؟

اس کے بعد علی کو تمام مسلمانوں کا ولی وذمہ دار، حضرت فاطمہ کو تمام خواتین اسلام کی قیادت کا مرکز، حسن وحسین کو امت کے تمام نوجوانوں کا قائد وسربراہ متعین نہیں فرما رہے ہیں؟

کیا اس سے زیادہ صریح، واضح، برملا، اور اتنے بڑے مجمع میں اور آخری وصیت کے طور پر کوئی اور بات کہی گئی، اس حدیث کے منطوق سے، مدلول سے، صریح مفہوم سے گریز کیوں؟ اس کے لئے اصول و ضوابط وضع کیوں نہیں ہوئے؟

یہ تاریخ اسلامی کا ایک معمہ ہے، یہ ملوکیت عضوض قبول کرنے کا وہ نامبارک عمل ہے، جس نے بنوامیہ اور بنوعباس کی حکومتوں کو خون مسلم سے آلودکردیا، بلکہ خون آل بیت سے ایسا داغدار کیا، جس کے دھبے دھونے میں ناصبی کبھی کامیاب نہ ہوسکے، اور یہی وہ مجرم ناصبی تھے، جنھوں نے تبرائی شیعوں کے ردعمل میں علی پر تبرا کیا، افراط وتفریط کے دو کنارے، رافضیت اور ناصبیت نے ایسے شرمناک افعال کرائے کہ



مسلمان ہمیشہ کے لئے خلافت کی نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہوگئے، اور اب وہ مہدی کے سہارے آخری دور کی خلافت کے انتظار میں بیٹھے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔

آخری مہدی کو ناصبی نہیں مانتے، کیونکہ وہ بھی تو آل بیت سے ہوگا، حدیثیں کہتی ہیں کہ وہ علی وفاطمہ کا فرزند ہوگا، جو علی کو گالی بکتے آئے، اور فاطمہ کا سینہ چلنی کرتے رہے، وہ یقیناً مہدی کے ساتھ نہیں، بلکہ دجال کے ساتھ ہوں گے، جس کی واضح اور ظاہری دلیل یہ ہے کہ وہی آج کل کے دجال کے ہراول دستوں، اور ظالم اور مجرم حکمرانوں کی کاسہ لیسی میں سب سے آگے ہیں، ان کے جبہ ودستار، ان کی داڑھیوں، عماموں اور رومال، ان کی مشلح اور عباؤں، ان کے عقالوں اور اداؤں کو مت دیکھئے، ان کے سیاہ دلوں کو دیکھئے، ان کے خبیث نفوس کی سڑاند سے منہ پر ڈھاٹا لگایئے، ان کی مجرم روحوں سے پناہ مانگئے، ویسے ہی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۶۰ ہجری کی حکومت سے اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگی تھی۔ (اللہ جل جلالہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے ص ۸۱ تا ۸۴)

عتیق احمد بستوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ

۲۹ جنوری ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہ نومبر ۲۰۱۸ء کے اخیر میں بعض حالات واسباب کی بناء پر اسّی ۸۰ صفحات کا ایک رسالہ شائع کیا تھا، جس کا عنوان تھا ''صحابی کی تعریف اور صحابہ کے مقام ومرتبہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ''، اس رسالہ میں صحابی کی تعریف اور صحابہ کے مقام و مرتبہ نیز مشاجرات صحابہ کے بارے میں چند اصولی اور بنیادی باتیں مستند حوالوں کے ساتھ ذکر کی گئی تھیں، اور اپنے ایک فاضل معاصر کے رسالہ ''لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں'' (قرآن کے دستوری، عالمی اور دائمی اصول، اور حدیث نبوی کی صحیح توضیحات کی روشنی میں صحیح موقف کا تعین) کے بعض غلط اندراجات کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے صحابہ کرام کے بارے میں جمہور امت کے موقف کو پیش کیا گیا تھا، میں نے اپنے رسالہ میں کہیں نہ ان فاضل معاصر کا نام لکھا تھا جن کے منحرف افکار کی تردید کے لئے رسالہ لکھا، نہ اس ادارہ کا نام لکھا تھا جس سے وہ فاضل معاصر وابستہ ہیں۔

کتاب کی اشاعت کے دوروز بعد ہی میرا بیرون ملک کا دس روز کا سفر ہوگیا، مجھے دوران سفر متعدد لوگوں نے بتایا کہ آپ کے رسالہ کا جواب حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے ''مفتی عتیق بستوی کے ازالہ کا ازالہ'' کے نام سے شائع کردیا ہے، اور پھر معلوم ہوا کہ ''چند وضاحتیں'' کے عنوان سے ان کی دوتین صفحات کی تحریر بھی ان کی طرف سے سوشل میڈیا پر آگئی، میں نے دوران سفر ان چیزوں کا مطالعہ مناسب نہیں سمجھا، اور یہی طے کیا کہ سفر سے واپسی کے بعد اطمینان سے دونوں چیزوں کا مطالعہ کروں گا، اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کچھ لکھوں گا۔



ہندوستان واپس آنے کے بعد مولانا موصوف کے رسالہ کی جستجو کی، تو دستیاب نہیں ہوا، بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا ہے، بلکہ سوشل میڈیا ہی کے ذریعہ اس کو پھیلایا گیا ہے، اس رسالہ کا پرنٹ حاصل کیا گیا، اور جب مطالعہ شروع کیا تو حیرت کی انتہا نہ رہی، انہوں نے رسالہ کا آغاز اس مصرعہ سے کیا ہے'' شرم تم کو مگر نہیں آتی''، آغاز اس طرح ہوتا ہے: مولوی عتیق بستوی سے بات شروع کرنے سے پہلے میں ان مولویوں سے کہتا ہوں جو پانچ سال سے قاتل و مجرم سعودی حکومت کے جرائم سے روز بروز واقف ہو رہے ہیں، لیکن نہ ان کی زبان کھلتی ہے نہ قلم چلتا ہے......''

مولانا موصوف نے پورے ۲ رصفحات ان مولویوں کی مذمت اور سعودی حکومت کے جرائم کے بیان کے لئے وقف کردیاے ہیں اور پھر اپنے رسالہ کا اختتام موصوف نے ان الفاظ پر کیا ہے: اخیر میں جن مولویوں سے بات شروع کی تھی ان سے یہ کہتے ہوئے بات ختم کرتا ہوں:

**دع المکارم ولا ترحل لبغیتها**

**واقعد فانک انت الطاعم الکاسی**

(ترجمہ: عزت والی چیزوں کو چھوڑ دو، انھیں حاصل کرنے لئے سفر نہ کرو، بیٹھے رہو، تمہیں کھانے اور پہننے کے لئے تو مل رہا ہے۔)

خدا جانے کہ ''ان مولویوں'' سے موصوف کی مراد کون حضرات ہیں، جنہیں خاص طور سے سعودی حکومت کے ساتھ لعن طعن کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

حالیہ چند برسوں میں سعودی حکومت کی بہت سی پالیسیاں تنقید کا نشانہ بنی ہیں،

''الاخوان المسلمون'' اور ''حماس'' کے بارے میں سعودیہ نے جو پالیسی اختیار کی، مصر میں مرسی کی حکومت گرانے اور سیسی کی حکومت لانے میں اس کا جو خفیہ رول رہا، نیز مملکت عربیہ سعودیہ نے بہت سے ممتاز علماء اور داعیوں کو جس طرح قید و بند اور ظلم و زیادتی کا شکار بنایا، اس پر پوری دنیا کے دینی حلقے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، اور وہاں کے حالات درست ہونے کی دعا کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ مولانا سلمان صاحب نے جس طرح حکومت سعودی عرب کی انتہا پسندانہ مخالفت کو اپنا شیوہ بنالیا ہے، اس میں انہیں اپنا کوئی ساتھ دینے والا نظر نہیں آتا ہے، حتی کہ خود سب سے بڑے اخوانی عالم علامہ شیخ یوسف القرضاوی اور صف اول کی اخوانی قیادت سعودی حکومت کی مخالفت میں اس حد تک نہیں گئی ہے۔

مولانا موصوف جب سعودی عرب کی مخالفت میں حد درجہ آگے بڑھے تو انہوں نے سعودی حکمرانوں کو مجہول النسب قرار دے دیا، اور سعودی مملکت نے ماضی میں جو دینی خدمات انجام دیں ان کا بھی انکار کر بیٹھے، داعش کا فکری رشتہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور حافظ ابن تیمیہؒ سے جوڑ دیا، اور اپنے مختلف بیانات میں ان حج اور عمرہ کرنے والوں کو بھی نہیں بخشا جو موجودہ سعودی حکومت کے زیر انتظام ان مناسک کو ادا کر رہے ہیں، اور حاجیوں کو اس بات پر اکسایا کہ وہ مناسک ادا کرنے پر اکتفاء نہ کریں بلکہ سعودیہ عربیہ میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں۔

ظاہر ہے کہ موجودہ سعودی حکومت کی مخالفت کے اس انداز سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا ہے، اگر خدانخواستہ حج اور عمرہ کرنے والے ایسی کسی کارروائی میں حصہ لینے لگیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ اور مناسک حج وعمرہ کی ادائیگی ممکن نہ رہے گی، خدا نہ کرے بلد امین



میں خون خرابہ ہو۔

سعودی عرب کی مخالفت میں اس حد تک جانا کسی حال میں درست نہیں ہوسکتا ہے۔

مولانا سید سلمان حسینی نے سعودیہ میں تعلیم حاصل کی، وہاں کے بے شمار اسفار کئے، مدت العمر سعودیہ کے مذہبی، سیاسی، نیم سیاسی حلقوں سے ان کے رابطے رہے، اگر جذباتی ردعمل سے اپنے کو بچاتے ہوئے انہوں نے حکمت اور لینت کے ساتھ وہاں کے مذہبی اور نیم سیاسی حلقوں سے رابطہ کرکے اصلاح حال کی کوشش کی ہوتی تو ممکن تھا کہ کچھ بہتر نتائج سامنے آتے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کی حکومت کو جس طرح خاموشی کے ساتھ متاثر کیا اس انداز کو اختیار کرنے کی ضرورت تھی، اسی طرح مفکر اسلام حضرت اسلام سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ فیصل اور دیگر عرب حکمرانوں کی رہنمائی اور انہیں مخلصانہ مشورے دینے کے لئے جو حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا اس کی پیروی کی ضرورت تھی۔

کسی حکومت، جماعت یا فرد پر غیظ وغضب کے اظہار سے اس کی اصلاح نہیں ہوتی، خواہ ہمارے جذبات کو تسکین ہوجائے، اور اپنا غصہ اتار کر ہم کچھ مطمئن ہوجائیں کہ ہم نے حق بات واشگاف انداز میں کہہ دی، دعوت و اصلاح کا کام حکمت، نرمی کا تقاضا کرتا ہے، اور اگر جدال کی نوبت آئے بھی تو جدال احسن کا حکم دیا گیا، ارشاد ربانی ہے:

**ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن.** (نحل:۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش

اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔

اللہ جل شانہ نے جب اپنے برگزیدہ انبیاء حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے سرکش اور مدعی الوہیت کی طرف بھیجا تو ہدایت دی:

**اذهبا الی فرعون انه طغیٰ، فقولا له قولا لیّنا لعله یتذکر او یخشیٰ.** (طٰہٰ: ۴۴)

ترجمہ: دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ حد سے آگے نکل چکا ہے، جا کر دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے، یا (اللہ سے) ڈر جائے۔

سعودیہ عربیہ کی حکومت کی خلاف مولانا موصوف کے جتنے بھی بیانات آتے ہیں اس میں لعن طعن کا پہلو زیادہ ہوتا ہے، اور اظہار غیظ وغضب میں اصلاح کے شرعی اور انسانی اصول وآداب کو انداز کر دیا جاتا ہے، مولانا موصوف کی بہترین خطابتی صلاحیتیں ایسے کام میں صرف ہو رہی ہیں جس کا کوئی فائدہ اور نتیجہ نہیں ہے۔

دوسری طرف جس ملک میں ہم لوگ آباد ہیں (ہندوستان) اس میں بھی ظلم و جور کی مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں، نریندر مودی جب صوبہ گجرات میں وزیر اعلیٰ تھے ان کے دور میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں، اور مرکز میں بھاجپا حکومت آنے کے بعد مختلف صوبوں اور علاقوں میں مسلمانوں، دلتوں اور مختلف اقلیتوں پر بدترین مظالم کا سلسلہ جاری ہے، لیکن حضرت مولانا سلمان صاحب جو سعودی حکومت کے خلاف ہمہ وقت شمشیر برہنہ ہیں، ان کا غیظ وغضب کبھی مودی اور ان کے ٹولے پر نہیں اترتا، بلکہ موصوف ان ظالموں کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے کے داعی ہیں،



اور جارحیت پسند ہندوؤں کے ساتھ خیر سگالی اور رواداری میں اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ بابری مسجد کی زمین شاندار رام مندر کی تعمیر کے لئے ہندوؤں کے حوالہ کرنے لئے بے چین ہیں، اور اس سلسلہ میں ان کا رویہ کس قدر اندوہناک اور مایوس کن ہے، اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ان کے بڑے سے بڑے مداح بھی اس رویہ کی تاویل کرنے سے عاجز ہیں۔

سعودیہ عربیہ کا مسئلہ ہمارے موضوع سے خارج تھا، لیکن چونکہ میرے رسالہ کے جواب میں مولانا موصوف نے اپنے رسالہ کا آغاز اور اختتام اسی مسئلہ سے کیا ہے اس لئے یہ چند سطریں نوک قلم پر آگئیں۔

مولانا موصوف نے میرے رسالہ کی تردید میں بیس صفحے کا جو رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس کے پڑھنے سے یہ بات ہر ایک محسوس کرسکتا ہے کہ انہوں نے انتہائی غیظ وغضب کی حالت میں بڑی عجلت میں وہ رسالہ لکھا ہے، رسالہ کی سطر سطر سے کبر ونخوت ہویدا ہے، کاش کہ انہوں نے میرا رسالہ پڑھنے کے بعد اپنے دل و دماغ کو کچھ غور وفکر کا موقع دیا ہوتا، کم از کم رسالہ لکھنے کے بعد دل و دماغ کے اعتدال کی حالت میں اپنی لکھی ہوئی تحریر کو غور سے پڑھ لیا ہوتا تو وہ اتنے اندوہناک حادثہ کا شکار نہ ہوتے، میری حقیر ذات کے بارے میں انہوں نے جن کرم فرمائیوں کا مظاہرہ کیا ہے ان کی کیا شکایت کی جائے، افسوس یہ ہے کہ کبار صحابہ حتی کہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) بھی ان کے ناوک قلم سے محفوظ نہ رہے، اور شیعہ حضرات ان کے بارے میں جو سوالات اور اعتراضات متفرق طور پر دہراتے رہتے ہیں، ان سب کو مولانا موصوف نے اپنے رسالہ میں جمع کر دیا ہے، اور عموما صحابہ کا ذکر

کسی سابقہ (حضرت) اور لاحقہ (رضی اللہ عنہ) کے بغیر کیا ہے، ایسے میں اس حقیر فقیر
کے لئے ''مولوی'' کا خطاب کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں۔

احقر نے اپنے رسالہ (صحابی کی تعریف اور صحابہ کے مقام و مرتبہ کے بارے
میں غلط فہمیوں کا ازالہ) میں اختلافات کو ختم کرنے یا کم کرنے کے لئے جو چار
سوالات قائم کئے تھے (صفحہ ۳۶ تا ۴۰) اس میں سے کسی سوال کا جواب دئے بغیر
انہوں نے ماشاءاللہ ۳۴ سوالات قائم فرمادئے، اخیر میں تحریر فرمایا:

''بس اس صحبت میں اتنے سوالات کافی ہیں، جوابات سیدھے
اور راست مطلوب ہیں، اور کوئی سوال مستثنیٰ نہیں ہے، براہ کرم ان کے
جوابات جلد دے دیں تاکہ پھر دوسری قسط جاری کروں، اور دوسرا سوال
نامہ ارسال کروں۔'' (ازالہ کا ازالہ ص ۱۸)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑا عالم کسی مکتب کے طالب علم کا امتحان لے
رہا ہو، ۳۴ سوالات قائم کرنے کے بعد یہ ارشاد ''جوابات سیدھے اور راست مطلوب
ہیں، اور کوئی سوال مستثنیٰ نہیں'' کس قدر مضحکہ خیز اور مقام عبرت ہے۔

مولانا موصوف نے اگر میرے سوالات کا جواب دیا ہوتا، تب تو انہیں کوئی سوال
کرنے کا حق پہنچتا تھا، لیکن ان سوالوں سے مکمل گریز کی صورت میں انہیں کوئی سوال
کرنے کا حق نہیں، پھر ان کے تمام سوالات وہ ہیں جو شیعوں کی طرف سے اہل سنت
سے کئے جاتے ہیں، اور ان کے تحقیقی جوابات اہل سنت کی ان قدیم وجدید کتابوں میں
تفصیل سے موجود ہیں جو اہل تشیع کے رد میں لکھی گئی ہیں، مثلاً حافظ ابن تیمیہ کی منہاج
السنۃ النبویۃ، شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تحفہ اثنا عشریہ، نواب محسن الملک کی آیات بینات،



علامہ شبلی کی الفاروق، مولانا سعید اکبرآبادی کی ''صدیق اکبر''، نیز امام اہل سنت
حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات و رسائل، جن سوالات کو
مولانا موصوف نے پیش کیا ہے، اگر خدانخواستہ ان کے دل ودماغ میں وہ کانٹے کی
طرح چبھ رہے ہیں، تو ان کے ازالہ کے لئے مذکورہ کتابوں کا مطالعہ کافی ہوگا۔

''ازالہ کا ازالہ'' میں مولانا سلمان صاحب نے جو زبان استعمال کی ہے وہ
معیار سے بہت گری ہوئی ہے، غیظ وغضب اور مشتعل جذبات کے سیل رواں میں بہہ
کر نوک قلم پر جو کچھ آیا لکھ دیا ہے، سچی بات تو یہ ہے وہ رسالہ اس قابل نہیں ہے کہ اس
کا کوئی جائزہ پیش کیا جائے، لیکن چونکہ لکھی اور چھپی ہوئی چیزیں ایک ریکارڈ بن جاتی
ہیں، اس لئے اس کے بعض مندرجات کا سنجیدگی کے ساتھ تجزیہ ضروری ہے، دو
صفحات میں بیچارے مولویوں پر غصہ اتارنے کے بعد ان کا روئے سخن میری طرف
ہوا، تو یوں گہر باری فرمائی:

''رہ گئے مولانا عتیق بستوی جن کو دارالقضاء میں ہم نے رکھا تو وہ
مفتی عتیق کے نام سے مشہور ہوگئے، میں نے ان کی تلبیسات،
تدلیسات، دروغ بیانی، الزام تراشی اور بگڑے ہوئے مفتیوں کی
تاویلات دیکھ کر حیران رہ گیا۔ (ازالہ کا ازالہ ص ۴ و ۵)

مولانا سلمان صاحب کا بہت شکریہ کہ انہوں نے مجھے دارالقضاء میں رکھا، تو
اس کے نتیجہ میں مفتی عتیق کے نام سے مشہور ہوگیا، ، ان کے اتنے بڑے احسان کا
شکریہ کیسے ادا کیا جاسکتا ہے، ایسا لگتا ہے ہے کہ انہوں نے مجھے کہیں سے بلا کر
دارالقضاء میں ملازم رکھا، میری دارالعلوم ندوۃ العلماء آمد مفکر اسلام حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر ہوئی، اور حضرت کا وہ مکتوب اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

قاضی کونسل اتر پردیش میں میرے نام کی شمولیت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کے فرمانے سے ہوئی، اور قاضی کونسل کی منظوری اس وقت کے صدرِ بورڈ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرحمت فرمائی، مولانا سید سلمان صاحب دارالقضاء کے انتظامی معاملات میں دخیل ضرور تھے، لیکن ان کا یہ منصب نہیں تھا کہ وہ قاضی مقرر کریں۔

یہ تو مقطع میں بعض سخن گسترانہ باتیں آگئیں، اصل بات یہ کہنی تھی کہ مولانا موصوف نے مذکورہ بالا اقتباس میں میرے اوپر تلبیسات، تدلیسات، دروغ بیانی، الزام تراشی وغیرہ کے جو گول مول الزامات عائد کئے ہیں، کاش کہ اس کی کچھ مثالیں اپنے رسالہ میں پیش فرمادیتے، لیکن پورا رسالہ پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ انہوں نے کسی الزام کی کوئی مثال بھی پیش نہیں کی ہے، ثبوت پیش کرنا تو دور کی بات ہے۔

میں نے اپنے رسالہ میں جمہور کا حوالہ جس کثرت سے دیا ہے اس کے ردِعمل میں شاید مولانا سلمان صاحب کو جمہور سے چڑھ ہوگئی ہے، انہوں نے زبردستی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جمہور کا مقابل قرار دے کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو شاذ قرار دیا ہے، اور اپنے کو بھی شاذ گردانا ہے، طیش وغضب میں لکھتے ہیں:

''ذرا اپنے گریبان میں منھ ڈالئے اور جمہور کا شور مچانا بند کیجئے،
ہاں میں جانتا ہوں کہ ابوحنیفہ کے مقابلہ میں جمہور غلط ہیں، ابوحنیفہ امام اعظم ہیں، وہ شاذ ہیں تو میں شاذ کے ساتھ ہوں۔''



(ازالہ کا ازالہ ص ٦)

نہ امام ابوحنیفہ شاذ ہیں، نہ جمہور غلط ہیں، مولانا سید سلمان ندوی شاذ ہوں تو ہوں، ہم تو تمام ائمہ فقہ اور ائمہ اہل بیت کی تعظیم کرتے ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں، اور کسی کی تنقیص وتضلیل نہیں کرتے۔

چند سطروں کے بعد مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کی ناصبیت آپ کے مضمون میں خوب جھلک رہی ہے، حدیثِ غدیر کے بارے میں اینچ پینچ، یزید کی صفائی کے بارے میں آپ کی جھلکتی کوشش آپ کو ناصبی ثابت کر رہی ہے، آپ کی طرح آپ کے جمہور میں بہت سے چھپے ناصبی ہیں۔'' (ازالہ کا ازالہ ص ٦)

رافضیوں کو اہل سنت کی ہر چیز میں ناصبیت نظر آتی ہے، اس کا کوئی علاج نہیں، حدیث غدیر کے بارے میں میں نے کوئی اینچ پینچ نہیں کی، سادہ اور سیدھا سوال کیا تھا جس کا آپ برا مان گئے، اور اس کا سنجیدہ جواب دینے سے گریز کیا، اسے میں یہاں دوبارہ نقل کر دیتا ہوں تاکہ قارئین دیکھیں کہ اس میں کیا اینچ پینچ ہے؟ میری کتاب کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''فاضل محقق نے تحریر فرمایا ہے:
آپ اہل بیت کو قرآن پاک کے ساتھ حجت قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں: **ترکت فیکم امرین، ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا، کتاب اللّٰہ و عترتی؛ اھل بیتی.** (دیکھئے بیہقی: ٦/٤٥٧، طبرانی حدیث: ٤٩٦٩)''

(لفظ صحابی کے بارے میں غلط فہمیاں ص ۷)

چند صفحات کے بعد مزید لکھتے ہیں:

’’کتاب اللہ وعترتی کی صحیح متواتر حدیث کے مطابق اور قرآنی و حدیثی اصولوں کے مطابق جو اہل بیت سے وابستہ رہے گا اسے نجات نصیب ہوگی، وہ گمراہی سے محفوظ رہے گا۔

(لفظ صحابی کے بارے میں غلط فہمیاں ص ۱۵)

اس سلسلے میں بڑا بنیادی سوال یہ ہے کہ اہلبیت کے حجت ہونے کا کیا مطلب ہے، کیا قرآن وحدیث کی طرح اہلبیت بھی شرعی حجت ہیں؟ بہت سے روایات میں ’’کتاب اللّٰہ و سنتی ‘‘ ہے، کتاب وسنت کا ماخذ دین ہونا اور دین میں حجت ہونا اتفاقی مسئلہ ہے، لیکن اہل بیت کا حجت ہونا بہت تحقیق طلب ہے، اوران کے حجت ہونے سے کیا مراد ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب اللہ وعترتی والی حدیث کو کیا ہم حدیث متواتر قرار دے سکتے ہیں؟ اس کی بھی تحقیق فرمادیں تو مفید ہوگا۔

(صحابی کی تعریف اور صحابہ کے مقام ومرتبہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۴۰)

اسی طرح یزید کی صفائی میرے رسالہ میں کہیں نہیں ہے، میں نے اس بارے میں خود کچھ نہیں لکھا، محدث اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ میں خلاصہ بحث کے طور پر جو نکات لکھے گئے تھے، ان میں سے ایک یزید پر تھا، اس کو میں نے نقل کر دیا تھا، اوراس کے بارے میں ایک سوال بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا، جس کے جواب سے آپ نے دانستہ گریز کیا، اسے بھی یہاں مکرر نقل کر دیا



جاتا ہے:

☆اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا، یا اس کا حکم دیا، اس کے ساتھ راضی تھا۔

☆یزید نہ تو ائمہ علم میں سے تھا، نہ ائمہ تقویٰ میں سے، وہ اپنے جیسے دوسرے مسلمان بادشاہوں کی طرح ایک بادشاہ تھا، وہ خلیفہ بھی تھا مگر خلیفۂ راشد نہ تھا، اسی لئے سیوطی وغیرہ نے اس کا ذکر بضمن خلفاء کیا ہے، اورابن تیمیہ وغیرہ نے اس پر لفظ خلیفہ کا اطلاق کیا ہے۔

☆ عقیدۂ فسق یزید کا تعلق سنیت سے نہیں ہے، نہ اثباتاً نہ نفیاً، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک علمی تحقیق کی ہے، اگر کسی عالم کے نزدیک شرعی قواعد کے ماتحت اس کا فسق ثابت ہو، اوروہ اس کو فاسق مانتا ہوتو وہ بھی سنی ہے، اور کسی عالم کے نزدیک ان قواعد کی رو سے اس کا فسق ثابت نہ ہوتا ہو، اس لئے وہ اس کو فاسق نہ مانتا ہو، تو وہ بھی سنی ہے۔

(تبصرہ بر’’شہید کربلا ویزید‘‘، صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹)

آپ نے تحریر فرمایا ہے:

’’آپ کی طرح آپ کے جمہور میں بہت سے چھپے ناصبی ہیں‘‘

تو میرے دوست آپ نے الحمدللہ دین وملت کی بہت خدمت کرڈالی، اب اپنی بقیہ عمر ہر دور کے ناصبیوں کو تلاش کرنے میں صرف فرمادیجئے اور سبائیوں سے چشم پوشی فرمائیے، یہی آپ کی بڑی خدمت ہوگی، ممکن ہے حشر میں آپ سے یہی سوال ہو کہ تم نے ناصبیوں کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کیا تھا کہ نہیں؟

مولانا سید سلمان ندوی صاحب نے اپنے رسالہ میں علم وفضل، تحقیق ومطالعہ میں اپنی دھونس جمانے کی بھرپور کوشش کی ہے، اور احقر کو نو وارد، ناپختہ اور کم علم ثابت کرنے کی بھرپور سعی کی ہے، موصوف کا اقتباس ملاحظہ ہو:

جو حوالے بڑی جدوجہد سے آپ نے جمع کئے ہیں، میں ان کو تیس پینتیس سالوں سے پڑھا رہا ہوں، علوم حدیث اور جرح وتعدیل میرا موضوع ہے، آپ کا نہیں، آپ اس موضوع میں نو وارد ہیں، اس لئے آپ کے کتابچہ سے آپ کی ناپختگی اور فلاں فلاں کے اقوال سے عوام کو بیوقوف بنانے کی کوشش صاف نظر آرہی ہے۔

صحابہ کون ہیں یہ علوم حدیث کا ایک موضوع ہے، جس کو میں ۱۹۷۵ء سے پڑھ رہا ہوں، اور ۱۹۸۰ء سے پڑھا رہا ہوں، علوم الحدیث کی کتاب ''علوم الحدیث لابن الصلاح'' ندوہ میں پڑھا رہا ہوں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ ''اصول حدیث'' حافظ ابن حجر کی شرح نخبۃ الفکر''، علامہ ابن الصلاح کی ''مقدمہ علوم الحدیث'' میں نے پڑھائی بھی ہیں، اور ان سب پر میری تعلیقات ہیں، مولانا عبدالحئ فرنگی محلی، اور شیخ ابوالفتاح ابوغدہ کی تعلیقات میرے سامنے ہیں، انہوں نے اکثر جمہور سے اختلاف کیا ہے، اور میں نے بھی جابجا کیا ہے۔

(دیکھئے ازالہ کا ازالہ ص ۷)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: جب حدیث آپ کا موضوع نہیں، تو کیا شوق ہوا ازالہ کا؟ (دیکھیں: ازالہ کا ازالہ ص ۱۷)



یہ دونوں پیراگراف غرور علم کا پتہ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مرض سے محفوظ رکھے، مجھے تو اس کا بھی دعویٰ نہیں کہ فقہ وافتاء میرا موضوع ہے، یا مجھے اس میں کچھ عبور حاصل ہے، یہ بھی آپ کا بڑا احسان ہے کہ علوم حدیث اور جرح وتعدیل جو آپ کے بقول آپ کا موضوع ہے، اس میں کم ازکم مجھے نو وارد تسلیم کرلیا، لیکن بطور تحدیث نعمت یہ عرض کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ الحمدللہ میرا مطالعہ انہیں کتابوں اور موضوعات تک محدود نہیں رہتا جن کی تدریس مجھ سے متعلق رہتی ہے، بلکہ علوم اسلامیہ تفسیر، حدیث، علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام وغیرہ کے مطالعہ کا سلسلہ کچھ نہ کچھ جاری رہتا ہے، اور جو قدیم یا جدید چیزیں ان علوم سے متعلق شائع ہوتی رہتی ہیں، ان سے واقف رہنے اور بقدر ضرورت مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''جو حوالے بڑی جدوجہد سے آپ نے جمع کئے ہیں میں ان کو تیس پینتیس سالوں سے پڑھا رہا ہوں'' معلوم نہیں کہ ''میری جدوجہد'' کا پتہ آپ کو کیسے چلا؟، الحمدللہ ان میں سے کوئی حوالہ ایسا نہیں ہے جس سے میں ''ازالہ'' کی تصنیف کے دوران واقف ہوا ہوں، وہ سارے حوالے طالب علمی ہی کے زمانے میں میری دسترس میں تھے، موقوف علیہ اور دورہ حدیث کے سال میرے مطالعے میں رہے، اپنے زیر بحث رسالہ کی تالیف کے دوران مجھے کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی، یہ رسالہ الحمدللہ چندروز میں تیار ہوا۔

جن کتابوں کا آپ نے ذکر فرمایا کہ ''انہیں میں ۱۹۷۵ء سے پڑھ رہا ہوں اور ۱۹۸۰ء سے پڑھا رہا ہوں'' مثلاً ابن صلاح کی علوم الحدیث، حافظ ابن حجر کی شرح نخبۃ الفکر اور دوسری کتابیں، ان سب کو احقر نے زمانہ طالب علمی ہی میں پڑھ لیا تھا، اور

ضرورت پڑنے پر ان سے استفادہ اور ان کی طرف مراجعت برابر جاری رہی۔

حیرت تو اسی پر ہے کہ اتنی مدت سے حدیث اور علوم حدیث پڑھنے پڑھانے اور اس میں تالیف وتعلیق کرنے کے باوجود آپ کیوں اس قدر بہک گئے، اور روافض کے افکار ونظریات کا پوری قوت سے پرچار کرنے لگے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

شکایت تو آپ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں سے ہونی چاہئے کہ انہوں نے مجھ جیسے حدیث اور علوم حدیث کے نو وارد کے ذمہ جس کا حدیث فن نہیں ہے صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور شرح معانی الآثار کا درس کیسے متعلق کر رکھا ہے؟ اہل علم کی شان تواضع اور فروتنی ہے، نہ کہ علم کا ادعاء و پندار۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے:

''حضرت خالد بن ولید صحابی جلیل ہیں، ان کے بارے میں بخاری کی صحیح احادیث کے حوالہ سے میں نے وضاحتیں کی ہیں، اگر ان روایتوں میں ان کے ساتھ بے ادبی ہے تو اسکے مجرم آپ کے نزدیک امام بخاری ہیں، آپ نے ان کے بارے میں مجھ پر جو الزام تراشی کی ہے یہ شرعی اصطلاح میں قذف کا جرم ہے، اسلامی عدالت ہوتی تو آپ پر ۸۰ کوڑے لگتے۔'' (دیکھیں: ازالہ کا ازالہ ص ۷)

بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو صحابی جلیل تسلیم کر لیا، آپ کے رسالہ ''لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں'' میں تو صراحت کے ساتھ ان کی صحابیت کی نفی کی گئی ہے، چنانچہ آپ نے لکھا تھا: ''لاتسبوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم



نے ''اصطلاحی صحابی سے اصلی صحابی کے بارے میں فرمایا تھا۔''

(لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں ص ۸)

اس عبارت سے یہ بات کھل کر واضح ہوتی ہے کہ حضرت خالد بن ولید کو آپ اصلی اور حقیقی صحابی نہیں مانتے، بلکہ محدثین اور ''جمہور اہل سنت'' نے غلو میں مبتلا ہو کر صحابی کی جو تعریف گڑھ لی ہے، اس کے مطابق وہ صحابی ہیں، یعنی اصطلاحی صحابی، یہ کہنا: کہ مولانا سلمان صاحب حضرت خالد بن ولیدؓ کو اصلی صحابی نہیں مانتے'' آپ پر الزام تراشی نہیں ہے، بلکہ آپ ہی کی ترجمانی ہے، لیکن اس سچی بات پر آپ اس قدر برہم ہیں کہ مجھ پر حد قذف جاری کرنا چاہتے ہیں، کاش کہ غیظ وغضب میں آپ ایسی بات تحریر نہ فرماتے جس سے کتاب وسنت سے آپ کی بے خبری اور ناواقفیت کا پتہ چلتا ہے، قذف اور حد قذف کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبویہ دونوں میں ہے، اصطلاح شرع میں اس کا ایک خاص مفہوم ہے، جسے اسلام علوم کے متوسط طلباء بھی جانتے ہیں، یعنی کسی پر زنا کا الزام عائد کرنا، الزام لگانے والا شخص اگر اپنے دعویٰ کو شرعی شہادت سے ثابت نہ کر سکے، اور جس پر الزام عائد کیا گیا ہے وہ جرم زنا کا اقرار نہ کرے تو الزام لگانے والے پر حد قذف جاری ہوتی ہے، یعنی اسی ۸۰ کوڑے لگائے جاتے ہیں، جس کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ النور آیت نمبر ۴ میں ہے۔

ظاہر ہے کہ میں نے خدانخواستہ ایسا کوئی الزام آپ پر تو عائد نہیں کیا کہ حد قذف جاری کئے جانے کی بات کی جائے، غالباً آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ کوئی شخص کسی کے بارے میں کسی طرح کی خلاف حقیقت بات کی نسبت کرے تو یہ قذف ہے، اور اس پر حد قذف جاری ہوتی ہے، اسی لئے آپ نے بڑے طمطراق سے لکھا ہے:

’’آپ نے ان کے (حضرت خالد بن ولیدؓ) کے بارے میں مجھ پر جو الزام تراشی کی ہے، یہ شرعی اصطلاح میں قذف کا جرم ہے، اسلامی عدالت ہوتی تو تو آپ پر اسّی ۸۰ کوڑے لگتے۔ (ازالہ کا ازالہ ۷)

جب ادعائے علم زیادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی غلطیاں کرادی جاتی ہیں جن سے مدعیٔ علم کی شخصیت کا کوئی جوڑ نہیں ہوتا، کاش کہ آپ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھی صحابیٔ جلیل ہونے کی سند دے دی ہوتی تو بہت اچھا ہوتا۔

آپ نے میری طرف سے پیش کے گئے چار سوالات کا کوئی جواب دئے بغیر ہی اپنی طرف سے چونتیس سوالات کا عظیم الشان سوالنامہ پیش فرمایا ہے، جن میں سے اکثر سوالات تو وہ ہیں جو اہل تشیع اور روافض اہل سنت سے کرتے ہیں، ان سوالات کا تحقیقی جواب آپ کے ایک شاگرد لکھ رہے ہیں، انشاء اللہ وہ جوابات آپ کے لئے کافی وشافی ہوں گے۔

سوال نمبر ۲۶ میں مولانا موصوف نے تحریر فرمایا تھا:

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا کہ ’’**هلاک امتی علی ایدی اغیلمة من قریش**‘‘ اور حضرت ابوہریرۃؓ ’’**اعوذ بالله من امارة الصبیان**‘‘ اور پھر ’’**اعوذ بالله من مارة الستین**‘‘ کی روایتیں نقل نہیں کرتے تھے، کیا یہ روایتیں مفتی صاحب! بخاری میں نہیں پڑھیں؟ یہ کون لونڈے تھے جن سے حضور صلی اللہ علیہ پناہ مانگتے تھے، کیا آپ بخاری کی ان حدیثوں کو مانتے ہیں؟ یا بنی امیہ کی محبت ماننے



سے مانع ہے؟ (ازالہ کا ازالہ ص ۱۵)

آپ نے سوال نمبر ۲۶ میں تین روایتیں درج کی ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ کیا یہ روایتیں مفتی صاحب بخاری میں نہیں پڑھیں؟ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں روایتیں صحیح بخاری کی ہیں، آپ تو ماشاء اللہ حدیث، علوم حدیث کے ماہر ترین شخص ہیں، حدیث اور علوم حدیث آپ ہی کا موضوع ہے، آپ کے بقول حدیث میرا موضوع نہیں ہے، معرکۂ تحقیق میں جب آپ تینوں روایتوں کو صحیح بخاری کی طرف منسوب فرمارہے ہیں تو میری جسارت کہاں کہ آپ سے اختلاف کرسکوں، لیکن فن حدیث میں نو وارد ہونے کے باوجود جب میں نے صحیح بخاری کی طرف مراجعت کی تو ان تین روایتوں میں سے صرف ایک روایت مجھے صحیح بخاری کی کتاب الفتن میں ملی، وہ روایت ہے: ’’**هلاک امتی علی ایدی اغیلمة من قریش**‘‘ یہ روایت کتاب الفتن کی **باب قول النبی صلی الله علیه وسلم : هلاک امتی علی ایدی اغیلمة سفهاء**‘‘ میں ہے، حدیث کا نمبر ۷۰۵۸ ہے، باقی دونوں حدیثیں ’’**اعوذ بالله من امارۃا لصبیان** اور **اعوذ بالله من امارة الستین**‘‘ صحیح بخاری کیا، صحاح ستہ میں بھی نہیں ہیں، فن حدیث آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے، اگر صحیح بخاری کا کوئی ایسا نسخہ آپ کے پاس ہو جس میں یہ دونوں روایتیں شامل کتاب ہوں تو اس کی نشاندہی فرمائیں، بڑی نوازش ہوگی۔

سوال کے اخیر میں آپ تحریر فرماتے ہیں: ’’کیا بخاری کی ان حدیثوں کو آپ مانتے ہیں یا بنی امیہ کی محبت ماننے سے مانع ہے؟

صحیح بخاری کی احادیث بلکہ صحاح کی احادیث کو نہ ماننے کا کوئی سوال ہی

نہیں، میں تو اتنا بڑا مجتہد نہیں کہ آپ کی طرح ہر چیز کو ٹھکرا سکوں، قرآن وحدیث کیا، میں تو جمہور کے اقوال کو بھی مانتا ہوں، لیکن کسی حدیث کا جو مفہوم اور مصداق آپ ٹھہراتے ہیں، اسے ماننے کا میں پابند نہیں ہوں، ہوسکتا ہے کہ وہ حدیثیں جن پر آپ منطبق کر رہے ہیں، میرے نزدیک ان کا انطباق ان کے علاوہ ہو، لیکن اس سوال میں آپ کا یہ آخری جملہ ''یا نبی امیہ کی محبت ماننے سے مانع ہے؟ بہت بڑی نفسیاتی بیماری کی نشاندہی کرتا ہے کہ خدانخواستہ آپ بنی امیہ کے بغض وعداوت میں مبتلا ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو امیہ کے قبول اسلام کو قبول فرمایا، انہیں سچا مومن قرار دیا، اور ان کے ساتھ عزت واحترام اور ہمت افزائی کا معاملہ فرمایا تو ان سے ہر صاحب ایمان کو محبت کرنی چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اعلان فرمایا: ''**من دخل دار ابی سفیان فھو آمن**'' (جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا وہ مامون ہے)''، یہ اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوسفیانؓ کی حد درجہ تکریم اور ہمت افزائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لیا، اور ان کے صاحبزادے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی مقرر فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقدامات اس خاندان کے صادق الایمان ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیاں امویوں کے نکاح میں دی گئیں، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو خاندان بنو امیہ کے ایک ممتاز فرد تھے، اور قبول اسلام میں بھی آپ کو سبقت حاصل تھی، ان کے نکاح میں یکے بعد دیگرے



رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں (حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما) آئیں، اسی لئے ان کو ذوالنورین بھی کہا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) بھی ایک اموی نوجوان ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں۔

ان رشتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاندان بنوامیہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے، بنوامیہ کے جو افراد اسلام کی ابتدائی دور میں یا فتح مکہ سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کا مقام ومرتبہ سابقین اولین کی طرح بلند تھا ہی، لیکن جو لوگ فتح مکہ کے موقع پر یا اس کے بعد اسلام لائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی ہر طرح صادق الایمان سمجھا، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ فرمایا جو سچے مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقعہ پر انہیں مخاطب کرتے ہوئے ''**اذھبوا فانتم الطلقاء** ''فرمانا اس میں ان کے ایمان و عقیدہ پر شک کرنے والی کوئی بات نہیں ہے، اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ تم لوگوں نے پچھلی زندگی میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کچھ معاندانہ کارروائیاں کی تھیں ان کا تم سے انتقام نہیں لیا جائے گا، بلکہ تم کو معاف کر دیا گیا، ''انتم الطلقاء'' برائت نامہ ہے، ان کے ایمان پر شک کا اظہار نہیں ہے، جیسا کہ بنوامیہ کے بعض مخالفین اس کو یہ رنگ دیتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والوں کا اسلام قبول فرمایا، انہیں مسلمان قرار دیا، اور یہ ضابطہ بیان فرمایا: **ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ** '' (اسلام لانا اسلام سے پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) لیکن حد

درجہ افسوس کی بات ہے کہ شیعی پروپیگنڈہ کے اثر سے بعض سنی علماء کے گلے کے نیچے حضرت ابوسفیان رضی اللہ علیہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام نہیں اترتا، اوران کے صادق الایمان ہونے میں شک کا اظہار کیا جاتا ہے، انہیں شرف صحابیت سے محروم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، بنوامیہ سے محبت کا طعنہ بغض معاویہ کی بیماری کا نتیجہ ہے۔

بنوامیہ میں کفروشرک تھا، لیکن نفاق نہیں تھا، انھوں نے جب تک اسلام کی مخالفت کی کھل کر کی، اور مشرکین مکہ کے سربراہ رہے، لیکن جب اسلام قبول کیا تو صدق دلی سے کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول اسلام کے بعد ماضی کی دشمنی پر کوئی بدلہ نہیں لیا، بلکہ انہیں قریب اور مانوس کرنے اوران کا دل جیتنے کی ہرممکن کوشش کی، قبول اسلام کے بعد اس خاندان نے خاتم الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت کی، اور بھرپور وفاداری کا ثبوت دیا، نیز اپنی روزمرہ کی زندگی میں حلال وحرام کو جاننے اور اس پرعمل کرنے کی پوری کوشش کی، اس کا ایک نمونہ حضرت ابوسفیان کی زوجہ ھند رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ہے جو کتب صحاح میں درج ہے۔

**عن الزهری قال: حدثنی عروة، ان عائشة رضی الله عنها، قالت: جاء ت هند بنت عتبة قالت: یارسول الله! ما کان علی ظهر الارض اهل خباء احب الی اَن یذلُّوا من اهل اخبائک، ثم ما اصبح الیوم علی ظهر الارض اهل خباء احب الیَّ ان یعزوا من اهل خبائک، .........قالت: یارسول الله! ان سفیان رجل مسّیک، فهل علیَّ حرج ان اطعم من الذی له عیالنا؟ قال: لا اُراه الا بالمعروف.**



(صحیح بخاری، رقم: ۳۸۲۵، باب: ذکر ھند بنت عتبۃ بن ربیعۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہند بنت عتبۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، کہا کہ اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کسی خیمہ والوں کا ذلیل ہونا ہمیں اتنا پسند نہیں تھا جتنا آپ کے خیمہ والوں کا ذلیل ہونا، پھر آج صورت حال یہ ہے کہ کسی خیمہ والوں کو عزت ملنا ہمیں اتنا پسندیدہ نہیں جتنا آپ کے خیمہ والوں کا عزت پانا۔

ہندہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! سفیان (ان کے شوہر) کم خرچیلے آدمی ہیں، کیا میں ان کے مال سے اپنے گھر والوں پر خرچ کرسکتی ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معروف طریقے سے زیادہ نہیں۔

میرے کرم فرمانے مجھے بار بار ناصبی اور یزیدی کے لقب سے یاد فرمایا ہے، رافضی اہل سنت کو ناصبی ہی کہتے ہیں، یہ ان کی مجبوری ہے، مولانا موصوف نے ایسی عینک لگالی ہے کہ انہیں تمام اہل سنت محققین ناصبی ہی نظر آرہے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں: ''آپ کی طرح آپ کے جمہور میں بہت سے چھپے ناصبی ہیں۔''

(ازالہ کا ازالہ ص۶)

شاید مولانا موصوف کی زندگی کا آخری مرحلہ اسی میں گذرے گا کہ وہ تلاش کرکے ناصبیوں کو الگ کریں گے، اور انہیں امت میں متعارف کرائیں گے، سارے کام تو وہ کرچکے، اب یہی ایک کام باقی ہے، میں نے اپنے رسالہ میں مشاجرات صحابہ کے بارے میں اپنا موقف دودو چار کی طرح واضح کردیا ہے، یہ وہی موقف ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے، اگر مولانا موصوف اسے ناصبیت اور یزیدیت

سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں، انشاءاللہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

آپ نے اپنے رسالہ ''ازالہ کا ازالہ'' میں چلتے چلتے صحابہ کے بارے میں اپنا نقطہ نظر جو انتہائی افسوسناک ہے واضح کر دیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''آپ کا صحابہ کرام کا دفاع کا جذبہ قابل قدر ہے، لیکن آپ یہ مانتے ہیں کہ جو صحابہ مرتد ہوگئے وہ صحابی نہیں رہے، ظاہر ہے وہ تو کافر ہوگئے، لیکن یہ آپ نے مان لیا کہ صحابہ مرتد ہوگئے، اور یہ آخری درجہ کا جرم ہے، تو اس سے ادنیٰ درجہ کا جرائم پھر کیوں نہیں ہوسکتے، فاسق کیوں نہیں ہوسکتے؟ ظالم کیوں نہیں ہوسکتے؟ جو آخری درجہ کا جرم کرسکتا ہے، وہ اس سے کم درجہ کا جرم کیوں نہیں کرسکتا؟ کیا عادل قاذف ہوسکتا ہے؟ کیا حضرت......حضرت حسان کے جرم قذف میں کوڑے نہیں لگائے گئے؟ کیا دیگر صحابہ سے کبائر نہیں ہوئے؟ نہ قرآن انہیں معصوم کہتا ہے، نہ نبی، تو آپ کے جمہور ان کی فضیلت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگاتے ہیں؟ (ازالہ کا ازالہ ص ۱۸)

آپ کا یہ پیراگراف پڑھ کر میں صدمہ میں ڈوب گیا، اگر رسالہ کے اوپر آپ کا نام نامی نہ ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ کسی رافضی کی تحریر ہے، جو صحابہ کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے پر تلا ہوا ہے، اگر آپ کے دل میں صحابۂ رسول کے بارے میں جذبات احترام ہوتے تو آپ یہ ہرگز نہ لکھتے ''یہ آخری درجہ کا جرم ہے، تو اس سے ادنیٰ درجہ کے جرائم پھر کیوں نہیں ہوسکتے، فاسق کیوں نہیں ہوسکتے؟ ظالم کیوں نہیں ہوسکتے؟'' گناہ کے بجائے جرم اور جرائم کی تعبیر صحابہ کے خلاف انتہائی غیظ وغضب کی نشاندہی



کرتی ہے، کس نے کہا کہ صحابہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں؟ آپ کو یہ تو یاد رہا کہ صحابہ سے کبیرہ گناہ (بلکہ جرائم) سرزد ہوئے، اور ان پر حد قذف اور حد زنا جاری ہوئی، لیکن آپ کو یہ یاد نہیں رہا کہ گناہوں کے صدور کے بعد صحابہ کے اضطراب اور بے چینی کا کیا حال تھا، کس طرح اپنے کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے وہ مضطرب اور بے کل تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ عرض کرتے تھے: **طهرني يارسول الله!** اے اللہ کے رسول! مجھے گناہ سے پاک کر دیجئے، مجھ سے گناہ سرزد ہوگیا ہے، حضرت ماعز اسلمیؓ اور قبیلہ بنی خثعم کی خاتون کا واقعہ جن سے زنا کا گناہ سرزد ہوگیا تھا، اور انہوں نے خود دربار رسالت میں حاضر ہوکر گناہ کا اقرار کیا، اور اپنے اوپر حد زنا جاری کرانے کے لئے اصرار کیا، ان پر حد جاری ہوئی، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے لئے بلند کلمات فرمائے، ان میں سے ایک کے بارے میں فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ کہ اگر سارے مدینہ والوں پر تقسیم کردی جائے تو سب کے لئے کافی ہوجائے، یہ دونوں صحابی اور صحابیہ معروف صحابہ میں سے نہ تھے، لیکن ان کی جو ایمانی کیفیت تھی وہ دور صحابہ کے بعد کے بڑے بڑے بزرگوں اور اہل اللہ کو حاصل نہیں ہے، صدور گناہ کے بعد ان کی بے چینی اور اضطرابی کیفیت دیدنی تھی۔

محترما! کتنی روانی کے ساتھ آپ کے قلم سے صحابہ کے لئے فاسق اور ظالم کے الفاظ نکل رہے ہیں، اللہ جل شانہ نے ان کے گناہ معاف فرمادیے، لیکن آپ شاید معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں، زیر بحث پیراگراف کے اخیر میں آپ سوال کرتے

ہیں: ''نہ قرآن نے انہیں معصوم کہتا ہے، نہ نبی، تو آپ کے جمہور ان کی فضیلت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگاتے ہیں؟'' اس سوال کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں صحابہ کے فضائل بیان کئے ہیں، مثلا:

**محمدرسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم، ترٰھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللّٰہ ورضواناً سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطأہ فاٰزرہ فاستغلظ فاستویٰ علیٰ سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللّٰہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات منھم مغفرۃ و اجراً عظیماً.(فتح:۲۹)**

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں، تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے، ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوگئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں، تاکہ اللہ ان سے کافروں کا دل جلائے، یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ



کرلیا ہے۔

**لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقٰتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعداللّٰہ الحسنیٰ.**

**(الحدید:۱۰)**

ترجمہ: تم میں سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا، اور لڑائی لڑی، وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں ہیں، وہ درجے میں ان لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا، اور لڑائی لڑی، یوں اللہ نے بھلائی کا وعدہ ان سب سے کر رکھا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار حدیثیں صحابہ کرام کی عمومی فضیلت اور خاص خاص صحابہ کی فضیلت میں وارد ہیں، جو آپ جیسے محدث سے مخفی نہیں ہیں، کتب احادیث میں صحابہ کے مناقب پر بے شمار روایتیں ہیں، کتاب مناقب الصحابہ یا باب مناقب الصحابہ حدیث کی ہر کتاب میں آپ کو مل جائے گی، اسی لیے جمہور ان کی فضیلت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، آپ کی طرف سے اس پر سوالیہ نشان لگانا حد درجہ افسوسناک ہے، صحابہ کو نہ قرآن نے معصوم کہا نہ نبی نے، اس لئے ان کی فضیلت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہے، تو کیا آپ سے ہم یہ سوال کر سکتے ہیں؟ کہ کیا اہل بیت نبوی معصوم ہیں؟ جو آپ ان کی فضیلت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

''ازالہ کا ازالہ'' کے اخیر میں مولانا موصوف لکھتے ہیں:

’’کیا ندوہ کے ذمہ داروں کو یہ معلوم نہیں کہ جب مولانا عتیق صاحب کی کتاب آئی تھی، اور نعمانی خاندان کے بعض افراد نے ندوہ پر حملہ کیا تھا، اور مولانا علی میاں کو مطعون کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اس وقت یہ مفتی عتیق یزیدی صف میں کھڑے تھے، اور میں نے تنہا اس وقت اس حملہ کا مقابلہ کیا تھا۔‘‘ (ازالہ کا ازالہ ص۱۹)

مولانا سلمان صاحب نے غالبا اس پیراگراف میں اس وقت کا ذکر کیا ہے جب مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی دامت برکاتہم کی کتاب ’’واقعہ کربلا‘‘ مکتبہ الفرقان لکھنؤ سے شائع ہوئی، اور اس پر ایک قلمی معرکہ برپا ہوا تھا، ایک سخت نامناسب تبصرے نے اس کتاب کی مقبولیت واشاعت بہت بڑھادی تھی، مختصر مدت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوگئے، کتاب میں جو علمی خامیاں تھیں وہ چھُپ کر رہ گئیں، اور جارحانہ نامناسب تبصرہ نے اس کتاب کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، اس وقت میں دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں تھا، اور ان افسوسناک حالات کا ایک مشاہد تھا، نہ میں نے اس موضوع پر کوئی مضمون لکھا، اور نہ کوئی تقریر کی، مولانا موصوف کے اس جملہ کو ’’اس وقت یہ مفتی عتیق یزیدی صف میں کھڑے تھے‘‘ محدث جلیل کا اختلاط ہی سمجھتا ہوں، اس وقت آپ نے اپنے بقول جو کارنامہ انجام دیا وہ آپ کو مبارک ہو، میں نے تو ان ایام میں بھی ان دونوں بزرگوں (مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ اور متکلم اسلام حضرت مولانا منظور نعمانیؒ) کا دل ایک دوسرے سے صاف پایا، میرا دونوں سے گہرا عقیدتمندانہ تعلق تھا، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تو صبح وشام



حاضری ہوتی تھی، اور حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی مہینہ میں دوتین بار ضرور حاضر ہوا کرتا تھا، یہ دونوں بزرگ مجھ سے ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرتے تھے، اور محبت وتعلق کا اظہار فرماتے تھے، دونوں کا دل ایک دوسرے کے بارے میں صاف ستھرا محسوس ہوتا تھا، جب کہ ان کے بعض اصاغر نے ایک معرکہ برپا کر رکھا تھا، اور دیکھنے والے دیکھتے تھے کہ ایک صحافتی جنگ برپا ہے، اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائے، اور ان کی دینی وملی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میری کتاب ''صحابی کی تعریف اور مقام ومرتبہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ'' شائع ہونے کے چند ہی روز بعد معلوم ہوا کہ میری کتاب کا جواب مولانا سید سلمان صاحب نے اس نام سے تحریر فرمایا ہے ''مفتی عتیق بستوی کے ازالہ کا ازالہ''، ان دنوں احقر بیرون ملک کے سفر پر تھا، جن لوگوں نے سوشل میڈیا پر اس کا مطالعہ کیا انہوں نے بتایا کہ موصوف کا لب ولہجہ بڑا سخت اور نامناسب نیز غیظ وغضب سے بھرا ہوا ہے، صفحہ صفحہ پر اپنے استکبار علمی کا اظہار ہے، اور آپ کے لئے حد درجہ ناشائستہ جملوں کا استعمال کیا ہے، دو تین دن کے بعد پھر معلوم ہوا کہ ''چند وضاحتیں'' کے عنوان سے مولانا موصوف کی دو تین صفحات کی نئی تحریر سوشل میڈیا میں آئی ہے، جس میں انہوں نے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ اور اس احقر کو مخاطب بنایا ہے، اس تحریر کا مطالعہ کرنے والوں نے بتایا کہ مولانا اپنے موقف پر قائم اور مصر ہیں، آپ دونوں حضرات (مولانا عبدالعلیم فاروقی اور عتیق احمد بستوی) پر صحابہ کرام کے موضوع پر کلامی جنگ چھیڑنے، عوام میں آگ لگانے کا الزام عائد کیا ہے، اس تحریر کا لہجہ نسبتاً نرم ہے، اور مولانا موصوف سوشل میڈیا میں اس بحث کو ختم کرنے کے خواہشمند ہیں، میں نے سفر سے واپسی کے بعد مولانا سید سلمان حسینی کی دونوں تحریروں کا بنظر غائر مطالعہ کیا، اس کے بعد بہت سوچ سمجھ کر ''ازالہ کا ازالہ'' کے بارے میں چند صفحات قلمبند کرائے، اب ''چند وضاحتیں'' کے بارے میں مختصراً بعض



باتیں لکھی جاتی ہیں:

(۱) مولانا موصوف نے مجھ پر اور حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ ہم لوگوں نے اس موضوع کو چھیڑا، عوام میں آگ لگائی، جب کہ سچائی اس کے بالکل برعکس ہے، اس ناگوار بحث کی بسم اللہ اس طرح ہوتی ہے کہ حضرت مولانا سلمان صاحب ماہ محرم ۱۴۴۰ھ میں اپنے گھر کے پاس شاہراہ عام پر حسینی سبیل لگاتے ہیں، اور اہل بیت سے اپنی محبت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں، یہ منظر دیکھ کر خود ان کے عقیدتمندوں کے ذہن میں اشکال پیدا ہوتا ہے، وہ لوگ سوشل میڈیا میں اس کا اظہار کرتے ہیں، اور بعض دارالافتاؤں میں اس کے بارے میں استفتاء بھیجتے ہیں، مولانا موصوف کو ان چہ میگوئیوں پر تکدر ہوتا ہے، اور وہ رائے بریلی کے ایک مدرسہ میں جس کے وہ ناظم ہیں (مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی، نزد تکیہ کلاں) وہاں کے طلباء اور اساتذہ کے سامنے ایک مفصل تقریر کرتے ہیں، اور اس میں بہت سی ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں، جن میں صحابہ کی تنقیص ہے، اور اہل سنت کے مسلک سے انحراف ہے، بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ انہی کی بعض بہی خواہ اس تقریر کو سوشل میڈیا پر ڈال دیتے ہیں، فیسبک اور یوٹیوب کے ذریعہ وہ تقریر پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے، اور اس پر منفی ردعمل شروع ہوجاتا ہے، اسی پر اکتفاء نہیں کیا جاتا، بلکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فضیلت کے طلباء کے سامنے مولانا اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں، اپنے شاذ افکار دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اس موضوع پر طلباء کے اشکالات وسوالات کا جواب دیتے ہیں، اور یہ سب چیزیں بھی درجہ تک محدود نہیں رہتیں، بلکہ انہیں پابندی کے ساتھ سوشل میڈیا پر نشر وشیئر کیا جاتا ہے اور فیسبک اور

یوٹیوب کے ذریعہ یہ چیزیں پھیلتی ہیں۔

لکھنؤ شہر شیعہ سنی مسائل میں کافی حساس ہے، یہاں مدح صحابہ کی بہت ساری انجمنیں ہیں، امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبرابازی کے جواب میں مدح صحابہ کے جلوس نکالے، مولانا سلمان صاحب نے اپنے بیان میں خاص طور سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو زبان استعمال کی، اور ان پر جو سنگین الزمامات عائد کئے جن کی زد بہت سے صحابہ پر پڑتی ہے، اس کی وجہ سے شہر لکھنؤ میں خاص طور سے بے چینی بڑھتی ہے، اور حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب کو اس کے خلاف تقریر کرنی پڑی جو سوشل میڈیا میں ڈالی گئی۔

اس کے بعد شہر کے لوگوں نے حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم سے رابطہ قائم کیا، اور شہر میں جو بے چینی کا ماحول ہے اس کے بارے میں بتایا تو حضرت مولانا محمد رابع صاحب ناظم ندوۃ العلماء نے یہ ضروری سمجھا کہ مولانا سلمان حسینی کے اس طرح کے افکار سے اپنی اور ندوۃ العلماء کی براءت کا اظہار کریں، حضرت مولانا محمد رابع صاحب کے اس بیان پر مولانا سلمان صاحب سخت شاکی اور چیں بجبیں ہوئے کہ مولانا نے یہ بیان کیوں جاری کیا، اور مولانا تک میرا رجوع والا بیان نہیں پہنچایا گیا، مولانا کو اس سے بے خبر رکھ کر میرے خلاف بیان دلوا دیا گیا، حالانکہ سچائی یہ ہے کہ مولانا سلمان صاحب نے اپنے جس بیان کو رجوع والا بیان قرار دیا ہے، اسے رجوع ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ وہ ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کی قبیل سے ہے، مخالف نقطہ نظر رکھنے والوں کے خلاف سخت سے سخت زبان استعمال کرتے ہوئے اگر مگر کے ساتھ کوئی بات کہنا رجوع نہیں قرار دیا جاسکتا، اگر آپ کو شبہ



ہو تو اس بیان کا متن دیکھ لیجئے، جو ''صاف اور واضح بیان'' کے عنوان سے سوشل میڈیا پر شائع ہوا:

## صاف اور واضح بیان

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے بارے میں میرے بعض بیانات پر ناواقفوں، کم علموں اور نام نہاد مولویوں نے جو شور وغوغا مچایا، اس نے الحمدللہ مجھے اب واضح بیان دینے کا موقع فراہم کیا، امت میں اہل سنت وہ ہیں جو رافضیت اور ناصبیت کے بیچ کا موقف رکھتے ہیں، رافضی شیعہ برسر باطل ہیں، جو حضرات ابوبکر وعمر عثمان -رضی اللہ عنہم- پر لعن طعن کرتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ -رضی اللہ عنہا- پر تہمت لگاتے ہیں، اکثر صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں، وہ ملعون ہیں۔

امت میں ناصبی وہ ہیں جو حضرت علی پر حضرت معاویہ کو ترجیح دیتے ہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں یزید کا دفاع کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر حدیث **اذکرکم اللّٰہ فی اهل بیتی، ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بهما کتاب الله و عترتی اهل بیتی.** یہ حدیث ۲۰-۲۵ کبار صحابہ سے منقول ہے، اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، کے بیان سے گریز کرتے ہیں، اور اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے وہ ناصبی ہیں، جو اہل بیت کی تعظیم نہیں کرتے ان سے محبت نہیں کرتے جو حضرت زین العابدین، حضرت زید بن علی، حضرت محمد الباقر، حضرت محمد جعفر الصادق اور ائمہ اہل بیت کو

اپنا امام نہیں مانتے، جب کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اہل بیت
سے تعلق کی بنیاد پر کوڑوں اور جیل کی سزا برداشت کرتے رہے، ایسے لوگ
نام نہاد اہل سنت ہیں، دراصل اہل سنت میں گھس بیٹھے ناصبی ہیں۔

اہل سنت میں جو علمائے حق ہیں ان سے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں
کہ امیر المومنین خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت
معاویہ باغی تھے کہ نہیں؟

اگر خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کے باوجود، اور تمام علمائے اہل
سنت کے نزدیک فاسق یزید کو بڑے بڑے صحابہ کو چھوڑ کر جانشین بنانے
کے باوجود، جمعہ کے خطبوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان کے گورنروں
کے لعن طعن کے باوجود- جس کی روایتیں اہل سنت علماء، محدثین اور
مورخین کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں- وہ (حضرت معاویہؓ) تنقید
سے بالاتر ہیں، اہلسنت کے علماء حق کا اگر یہی فتویٰ ہے تو میں اختلاف
سے بچنے، اور امت کی اجتماعیت کے لئے اپنی تمام باتوں سے رجوع کرتا
ہوں، امت اختلافات سے زار ونزار ہے، میں نہیں چاہتا کہ شورش پیدا
کرنے والوں کو موقع ملے۔

تحریر سلمان حسینی ندوی

بتاریخ ۲۵ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

یہاں پر بھی بات ختم نہیں ہوئی، بلکہ اپنے اس بیان (جسے مولانا موصوف
رجوع قرار دے رہے ہیں) کے بعد موصوف نے تین رسالے شائع کئے، جن میں



ایک رسالہ کا نام تھا: ''لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں'' (قرآن کے دستوری،
عالمی اور دائمی اصول، اور حدیث نبوی کی صحیح توضیحات کی روشنی میں صحیح موقف کا
تعین) یہ رسالہ دارالعلوم ندوہ العلماء میں تقسیم بھی ہوا، اور اس کی فروختگی بھی جاری
رہی، کئی دن دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد کے سامنے لوگ یہ رسالہ فروخت کرتے
رہے، اس میں تقریباً تمام ان قابل اعتراض باتوں کا اعادہ تھا جو رائے بریلی کی تقریر
میں کہی گئی تھیں، اور صحابہ کے بارے میں کئی اور مباحث خصوصیت سے چھیڑے گئے
تھے، مثلاً جمہور نے صحابہ کی جو تعریف کی ہے اس سے شدید اختلاف کا اظہار، اور صحابہ
کے خصوصی مقام و مرتبہ کا انکار وغیرہ، اسی کے ساتھ مولانا موصوف کی طرف سے
درسگاہ میں بھی اپنے خصوصی افکار و نظریات کا اظہار، ان پر سوال و جواب کا سلسلہ
جاری رہا، اور اسے شیئر کیا جاتا رہا۔

حالات کی سنگینی اس قدر بڑھ گئی کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعض طلبہ نے
دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داران کو اس طرف متوجہ کیا، ایک طالب علم لکھتا ہے:

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

محترم ومکرم حضرات ذمہ داران ندوۃ العلماء!

آج میں یہ چند سطریں بہت برداشت کے بعد، بہت کڑھن کے
ساتھ آپ لوگوں کے سامنے پیش کررہا ہوں۔

پچھلے دنوں جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ایسے موضوع پر جو امت
میں بہت زیادہ حساس ہے- مشاجرات صحابہ- ہمارے اساتذہ میں سے

ایک استاذ نے تحقیق کے نام پر آل بیت سے محبت کے عنوان سے جسارت کی اور اس کو عوام کے سامنے پیش کیا، جس کا ردعمل سامنے آیا اور ندوہ نے اس سے براءت کا اظہار کیا، پھر استاد موصوف نے اس تقریر سے رجوع کیا، لیکن اس کے بعد بھی استاد محترم اپنی اس حرکت پر بضد ہیں اور ہم طلباء کے درمیان تحقیق اور حقائق کے نام سے رافضیت اور شیعیت کا درس دے رہے ہیں اور یہ تحقیق کتابی شکل میں چھپوا کر ہم لوگوں میں کچھ قیمت لے کر تقسیم کروا رہے ہیں، یہ کام آپ لوگوں کی موجودگی میں انجام پا رہا ہے۔

بندہ بصد احترام آپ لوگوں سے عرض کرتا ہے کہ کیا ندوہ میں یہی ایک تحقیقی کام رہ گیا تھا جو استاد محترم اس کی تکمیل فرما رہے ہیں اور اپنی تحقیق کو ہم لوگوں پر آشکارہ کر رہے ہیں، یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور خاص طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق زہر گھول کر ہمارے ذہن ان نفوس قدسیہ کے سلسلہ میں نجس و ناپاک کر رہے ہیں، حیرت تو اس پر ہے کہ کوئی بڑا استاد جو ان کے معاصرین میں سے کچھ بولنے یا جواب دینے کی ہمت نہیں کر پا رہا ہے، اس ڈر سے کہ ندوہ میں انتشار نہ ہو، خواہ امت کے عقائد صحابہ کے سلسلہ میں خراب ہو جائیں، افسوس صد افسوس!

میں آپ لوگوں سے بصد احترام درخواست کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں فوری قدم اٹھائیں اور صحابہ کرام کے سلسلہ میں امت کے ان



نونہالوں کے ذہن میں جو غلط فکر دیا جا رہا ہے اس کی تلافی کریں، ورنہ عنداللہ جوابدہ ہوں گے۔

والسلام

یکے از طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ان حالات میں حضرت مولانا سلمان زید مجدہ کا مجھ پر اور حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب پر الزام عائد کرنا کہ ہم لوگوں نے آگ لگائی، اور اس مسئلہ کو عوام میں بھڑکایا بالکل بے جا اور نادرست ہے، مولانا موصوف نے ''چند وضاحتیں'' کے پہلے پیراگراف کے اخیر میں لکھا ہے کہ (مدارس کے درجوں میں علم کلام اور فقہ کے گھنٹوں میں کلامی اور فقہی مسائل کا جو دنگل ہوتا ہے، اسے اگر عوام کے سامنے پیش کیا جائے تو شاید ان کا ایمان ہی محفوظ نہ رہے) کاش کہ انہوں نے یہی سوچ کر وہ نامناسب دنگل برپا نہ کیا ہوتا جو کافی دنوں تک فیسبک اور یوٹیوب پر جاری رہا، اور اب بھی کچھ نہ کچھ اس کا سلسلہ جاری ہے، اگر انہوں نے یہ احتیاط برتی ہوتی تو نہ ازالہ لکھا جاتا، اور نہ ازالہ کا ازالہ اور نہ انہیں چند وضاحتیں تحریر کرنی پڑتی۔

مولانا سلمان صاحب نے ''چند وضاحتیں'' میں میرے بارے میں جو باتیں تحریر فرمائی ہیں، ان کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، پھر اختصار کے ساتھ وضاحت کی جاتی:

''جہاں تک مولانا عتیق صاحب بستوی کا تعلق ہے، وہ جب سے ندوہ آئے ہیں ہمارے محترم دوست ہیں، ہمارے اور ان کے درمیان ہمیشہ بے تکلفی رہی، اور ہر موضوع پر باتیں ہوتی رہیں، وہ اپنی کتاب کی

اشاعت سے دو دن پہلے میرے دفتر تشریف لائے، اور اسی موضوع پر
بات ہوئی، اور یہ بات ہوئی کہ اب اس موضوع کو رفع دفع کر دینا چاہئے،
آج کل کے حالات میں دوسرے بڑے تقاضے ہیں، میں نے ان کو اپنی
کتابیں بطور ہدیہ دیں، اور وہ دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوئے۔۔دو دن
کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی ایک کتاب ہماری تردید میں شائع ہوئی،
میں نے ان کا زیادہ نوٹس نہیں لیا، پھر کسی ساتھی نے کتاب لاکر دی، تو مجھے
ان کے اخلاص اور خیر خواہی پر بڑا تعجب ہوا کہ ''فتنوں کو بھڑکانے'' ''انتشار
وکشاکش پیدا کرنے'' ''صحابہ پر لعن طعن کرنے'' ''غلط بیانی اور زہر
افشانی کرنے'' ''طعن و تشنیع کے تیر چلانے''، ''تلبیس سے کام لینے
'' جیسی گالیوں سے میرے دوست اور برادر مکرم نے مجھے نوازا، اب اس
میں سچ کتنا ہے، اور جھوٹ کتنا، اس کو قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

جن مسائل پر صحابہ کا خون بہایا گیا، حضرات حسنینؓ کے ساتھ ظلم کیا
گیا، وہ مسائل اس طرح چھیڑنے کے نہیں تھے، پورا دینی نظام جہاں تہہ
وبالا کیا جارہا ہے ان پر آپ نے کبھی بولنے اور اظہار حق کرنے کی زحمت
نہیں فرمائی، اور یہاں اپنے ایک بھائی سے جس کے ساتھ آپ پچیس تیس
سال سے ہیں، کیا دین آپ سے نہیں کہتا تھا کہ اس سے پہلے علمی بات
کر لیتے، مباحثہ کر لیتے، پھر اگر اتفاق رائے نہ ہوتا تو اپنی علمی تحقیق پیش
کرتے۔'' (ملاحظہ ہو: چند وضاحتیں ص ۱)

میں بہت شکر گذار ہوں کہ مولانا موصوف نے بڑی ذرہ نوازی کرتے ہوئے



مجھ جیسے ناصبی یزیدی کو محترم دوست تسلیم کر لیا، اس دور میں تو مسلم اور کافر کی بھی دوستی
ہوتی ہے لہٰذا رافضی اور ناصبی میں دوستی ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔

کتاب کی اشاعت سے دو دن پہلے میرے ان کے دفتر میں آنے کی بات لکھی
گئی ہے، اس میں غالبا کچھ تسامح ہو رہا ہے، میرے اندازے کے مطابق یہ ملاقات کم
از کم دس بارہ دن پہلے ہوئی تھی، اس دوران علامہ شیخ یوسف القرضاوی کی وفات کی خبر
بعض ذرائع ابلاغ میں گردش کر رہی تھی، اس کی تردید بھی آرہی تھی، اسی کی تحقیق کے
لئے میں مولانا سلمان صاحب کے آفس میں گیا، انہوں نے حتمی انداز میں بتایا کہ یہ
خبر بالکل غلط ہے، اس طرح کی جھوٹی خبریں پہلے بھی آچکی ہیں، اس سے چند روز
پہلے استانبول سے الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین کی کانفرنس سے مولانا سلمان صاحب
کی واپسی ہوئی تھی، کانفرنس کے بارے میں بھی کچھ باتیں مولانا سے ہوئیں، اس سے
کچھ پہلے حضرت مولانا محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کی طرف سے حضرت معاویہؓ کے
بارے میں مولانا سلمان صاحب کے خیالات سے برأت کا اظہار اور اس اظہار
برأت پر مولانا سلمان کا اظہار ناراضگی کا بیان آچکا تھا اور نزاعی موضوع ندوہ کے
ماحول میں گردش کر رہا تھا، میں نے بے تکلفی کے انداز سے مولانا سلمان صاحب
سے یہ بات کہی کہ آپ نے کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے، سوشل میڈیا میں پوری بحث
چھڑی ہوئی ہے، حضرت مولانا محمد رابع صاحب کا اظہار برأت اور پھر اس پر آپ کی
تنقید، یہ سب چیزیں سوشل میڈیا میں گردش کر رہی ہیں، یہ اچھی بات نہیں، حضرت
مولانا محمد رابع صاحب ہم سب کے بڑے ہیں ان سے مل کر آپ کو بات صاف کر لینا
چاہئے، مولانا سلمان صاحب نے فرمایا اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے اپنے

مدرسہ میں ایک تقریر کی تھی اس کو اتنی ہوا دے دی گئی، میں نے عرض کیا کہ یہ ہوا ان لوگوں نے دی جنھوں نے اسے سوشل میڈیا میں نشر کیا، اگر آپ کے لوگوں نے کیا ہے تو وہ ذمے دار ہیں، اور اگر کسی اور نے کیا تو اس پر کچھ ذمہ داری آتی ہے، بہر حال آپ کو حضرت مولانا رابع صاحب سے مل کر اس مسئلہ کو ختم کر لینا چاہئے۔

ان دنوں حضرت مولانا سلمان صاحب کی کمان چڑھی ہوئی تھی، وہ ایسے حال میں نہیں تھے کہ اس موضوع پر ان سے کوئی سنجیدہ نتیجہ خیز گفتگو ہو سکے، اس سے کچھ دنوں پہلے سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ڈاکٹر پروفیسر مولانا سید سلمان ندوی -مقیم حال ساؤتھ افریقہ- ندوہ تشریف لائے ہوئے تھے، ان سے بھی لوگوں نے ذکر کیا کہ صحابہ اور مشاجرات صحابہ کے بارے میں مولانا سلمان صاحب نے جو موقف اختیار کر رکھا ہے، اور جو ان کی طرف سے دار العلوم ندوۃ العلماء کی درسگاہ میں اور سوشل میڈیا پر جس انداز سے بار بار پیش ہو رہا ہے، اس سے سخت بے چینی ہے، انہوں نے مولانا سید سلمان حسینی صاحب سے اس موضوع پر ملاقات کر کے بات کی، لیکن ان کو بھی ناکامی رہی، ملاقات کے بعد وہ فرما رہے تھے کہ وہ کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہیں، اور اپنے موقف پر مصر ہیں، اس لئے اگر مذکورہ بالا ملاقات میں نزاعی موضوع پر ان سے کوئی تفصیلی گفتگو نہیں کی تو یہ مناسب ہوا دو بدو اس موضوع کو چھیڑنے سے تلخی اور بدمزگی ہی کا اندیشہ تھا، جیسا کہ ازالہ کا ازالہ میں ظاہر ہوا۔

مولانا موصوف کے بقول میں نے اپنی کتاب ازالہ میں انہیں بہت سی گالیوں سے نوازا ہے، میں یہ کیسے لکھوں کہ مولانا سلمان صاحب جیسے نجیب الطرفین سیدِ



شریف نے مجھ جیسے کم علم اور گنہگار کو مہذب یا غیر مہذب گالیاں دی ہیں، انہوں نے تو محبت کے پھول برسائے ہیں، اس کا شکوہ بے جا ہے، میرے محترم! مسئلہ اگر میرے اور آپ کے درمیان کی کچھ سخت کلامی یا ناروا تبصروں کا ہوتا تو اسے دفن کرنا لمحوں کا کام تھا، الحمد للہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے اڑتیس سالہ قیام میں ہمارے اور آپ کے درمیان کسی طرح کی کوئی ذاتی مخاصمت نہیں ہوئی، دوستانہ اور بے تکلفانہ تعلقات ہی رہے، اللہ تعالی نے آپ کو جن صلاحیتوں سے نوازا ہے اس کا میں معترف اور قدرداں بھی رہا، ہماری اور آپ کی آراء اور نقطہائے نظر میں اختلافات بھی سامنے آئے اور ہم نے ان پر آمنے سامنے بحث و گفتگو بھی کی، آپ نے بھی میرے ساتھ ہمیشہ اکرام کا معاملہ فرمایا، لیکن ادھر صحابہ رسول کے بارے میں آپ کی بعض تقریریں اور تحریریں صراط مستقیم سے ہٹی ہوئی تھیں، اور ان میں شیعیت اور روافضیت کے اثرات بہت نمایاں تھے، اس لئے آپ سے سارے تعلقات اور دوستی کے باوجود دینی فرض سمجھتے ہوئے مجھے قلم اٹھانا پڑا۔

یہ قدم سراسر آپ کی خیر خواہی میں اٹھایا گیا، آپ جس تیزی سے رافضیت زدہ افکار کی طرف سرگرم سفر تھے اور اس بارے میں کسی کی سننے کو تیار نہیں تھے نیز آپ کے شاگردوں، عقیدت مندوں کا ایک حلقہ ان افکار سے متاثر ہوتا جا رہا تھا، ان حالات کا تقاضا تھا کہ آپ کے منحرف افکار کا علمی جائزہ لیا جائے، اور صحابہ نیز مشاجرات صحابہ کے بارے میں جمہور اہل سنت کا جو واضح موقف ہے اس کو ادلہ شرعیہ کی روشنی میں پیش کیا جائے، ان مباحث کو ختم کرنے یا آپ کے الفاظ میں انہیں دفن کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ پوری جرأت اور صراحت کے ساتھ ان منحرف افکار و خیالات

سے رجوع کا اعلان فرمادیں جو آپ کے زبان وقلم سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اور
صحابہ کرام خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ظاہر ہوئے اور آپ ان
پراب تک مصر ہیں۔

اپنی تحریر کو شیعی عالم وادیب مولانا محمد حسین آزاد کے ایک اقتباس پر ختم کرتا
ہوں جو ان کی کتاب دربار اکبری سے لیا گیا ہے:

سنی بھائی کہتے ہیں جنہوں نے منصب خلافت لیا تھا، حق لیا
تھا، شیعہ کہتے ہیں کہ نہیں! حق اوروں کا تھا، ان کا نہ تھا، اگر پوچھیں کہ
انہوں نے اپنا حق خود کیوں نہ لیا؟ شیعہ جواب دیں گے کہ صبر کیا اور
سکوت کیا، کیا تم لینے والوں سے لے کر اس وقت دلوا سکتے ہو؟ نہیں، لینے
والے موجود ہیں؟ نہیں، طرفین میں سے کوئی ہے؟ نہیں، اچھا جب یہ
صورت ہے تو آج تیرہ سو برس کے بعد اس معاملے کو اس قدر طول دینا
کہ قوم میں ایک فساد عظیم کھڑا ہو جائے، چار آدمی بیٹھے ہوں تو صحبت کا
مزہ جاتا رہے، کام چلتے ہوں تو بند ہو جائیں، دوستیاں ہوں تو دشمنی
ہو جائے دنیا جو مزرعۃ الآخرۃ ہے اس کا وقت کارہائے مفید سے ہٹ کر
جھگڑے میں جا الجھے، قوم کی اتحادی قوت ٹوٹ کر چند در چند گلے
پڑ جائے، یہ کیا ضرورت ہے، بہت خوب تم ہی حق پر سہی لیکن انہوں نے تو
صبر اور سکوت کیا، پس اگر ان کے ہو تو تم بھی صبر وسکوت کرو، زبانی بدگوئی
اور بدکلامی کرنی اور بھٹیاریوں کی طرح لڑنا کیا عقل ہے اور کیا یہ انسانیت
ہے؟ کیا یہ تہذیب ہے اور کیا یہ حسن خلق ہے؟ تیرہ سو برس کے معاملے کی



بات ایک بھائی کے سامنے اس طرح کہہ دینی جس سے اس کا دل آزردہ
بلکہ جل کر راکھ ہو جائے اس میں خوبی کیا ہے؟...... ہمارے شیعہ بھائی
اس کا ضرور جواب دیں گے کہ جوش محبت میں مخالفوں کے لئے حرف
بدزبان سے نکل جاتے ہیں، اس کے جواب میں فقط اتنی بات کا سمجھنا کافی
ہے کہ یہ عجب جوش محبت ہے ہمارے مقتداؤں نے جو بات نہ کی ہم کریں
اور قوم میں فساد کا منارہ قائم کریں یہ کیا اطاعت اور پیروی ہے؟

(دربار اکبری ص۳۸۲)